مسلم پرسنل لا
کے بعض مسائل

مولانا سید جلال الدین عمری

ترتیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

ادھر چند دنوں سے مسلم پرسنل لا پر ہر طرف بحث ہو رہی ہے۔ حکومت اور میڈیا اس کی تصویر مسخ کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ بہت سے وہ لوگ جو اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں اس سے متاثر بھی ہو رہے ہیں۔ اللہ کا شکر و احسان ہے کہ اس کے مقابلے میں اسلام کی تعلیمات کو پیش کرنے کی قابل قدر کوششیں ہو رہی ہیں۔ موجودہ مخالف ماحول میں ان کی طرف توجہ کم ہے، لیکن امید ہے کہ زیادہ دنوں تک انہیں نظر انداز نہیں کیا جاسکے گا۔ اسلام کی تعلیمات اپنے اندر زبردست کشش رکھتی ہیں۔ ان میں ان تمام اعتراضات کا جواب موجود ہے جو اس سلسلے میں کیے جاتے ہیں۔

اس عاجز کو مسجد اشاعت اسلام (جو مرکز جماعت اسلامی ہند کے کیمپس میں واقع ہے) میں خطباتِ جمعہ پیش کرنے کی سعادت حاصل رہتی ہے۔ اپنے بعض خطبات میں مسلم پرسنل لا پر بھی اظہار خیال کا موقع ملا ہے۔ ان میں سے پانچ خطبات کو برادرِ عزیز عبدالحاکم مجاہد فلاحی نے کیسٹ سے نقل کیا ہے۔ ان خطبات کو عاجز نے مضامین کی شکل دی ہے۔ ان میں بہت ہی اختصار کے ساتھ متعلقہ موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ اس سے بہ یک نظر اسلام کا موقف سمجھا جاسکتا ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ

اسے اپنے فضل سے قبول فرمائے اور اس کے بندوں کو زیادہ سے زیادہ فائدہ پہنچے۔

اب یہ کتاب نظر ثانی کے بعد شائع ہورہی ہے۔ امید ہے اس سے پیش نظر مسائل کی بہتر انداز میں وضاحت ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اسے شرف قبولیت سے نوازے اور اس کے نفع کو عام کرے۔

زیر بحث موضوعات پر میں نے اپنی حسب ذیل کتابوں میں تفصیل سے بحث کی ہے۔ ضرورت پر ان کی طرف رجوع کیا جاسکتا ہے۔

مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ۔ اور

اسلام کا عائلی نظام۔

ناشر: مرکزی مکتبہ اسلامی پبلشرز نئی دہلی ۲۵۔

والسلام

جلال الدین عمری

۲رمئی ۲۰۲۲ء

اہلِ اسلام کے لیے پرسنل لا کی اہمیت

عبادات کے احکام متعین ہیں

قرآن مجید اور حدیث شریف میں نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج کے احکام بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں۔ نماز کس وقت اور کس طرح پڑھی جائے گی؟ کس نماز میں کتنی رکعتیں ہوں گی؟ اور اس کے اوقات کیا ہوں گے؟ ٹھیک اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کے بارے میں بھی تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ حج کا طریقہ بھی بیان ہوا ہے۔ ہم میں سے کوئی بھی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ نماز، روزہ، زکوٰۃ یا حج کے جو احکام بیان ہوئے ہیں، ان کی ادائیگی کے جو طریقے بتائے گئے ہیں، ان کے جو اوقات مقرر کیے گئے ہیں، جو دن طے ہوئے ہیں، ان سے ہٹ کر یہ فرائض ادا ہو سکتے ہیں۔ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ آدمی آرام سے اٹھ کر آٹھ، نو یا دس بجے نماز فجر پڑھ لے۔ اس لیے کہ فجر کی نماز کا وقت یہ نہیں ہے۔ ظہر کے بارے میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ وقت سے پہلے پڑھ لینی چاہیے، تا کہ آدمی آفس پہنچ سکے۔ اسی طرح مغرب یا عشاء کی نماز کے سلسلے میں کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اسے ضروری کاموں سے فراغت کے بعد پڑھنا چاہیے۔ روزے کے بارے میں بھی کوئی شخص یہ نہیں کہے گا کہ رمضان کے علاوہ کسی اور مہینے میں روزہ رکھ لیا جائے۔ زکوٰۃ کے بارے میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ ایک ٹیکس ہے، موجودہ حالات میں اس پر عمل نہیں ہو سکتا، یا حج کے بارے میں وہ یہ نہیں کہے گا کہ اس کے جو ایام مقرر ہیں، وہ میرے نزدیک مناسب نہیں ہیں، میں دوسرے دنوں میں

حج کرلوں گا۔ جس شخص کے دل میں شریعت کا احترام ہے وہ یہ باتیں سن بھی نہیں سکتا۔ ان احکام کے تعلق سے آدمی سے کبھی کوئی بھول چوک ہوجائے تو وہ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگتا ہے اور اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہے۔

خانگی زندگی کے بارے میں ہدایات

جس طرح قرآن وحدیث میں ان عبادات کے سلسلے میں تفصیلی احکام بیان ہوئے ہیں، ٹھیک اسی طرح انسان کی خانگی زندگی کے بارے میں بھی بہت تفصیل سے ہدایات دی گئی ہیں۔ قرآن وحدیث میں عبادات کے بعد سب سے زیادہ تفصیل انسان کی خانگی زندگی ہی سے متعلق ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے شعبۂ حیات کی اتنی تفصیل نہیں ہے۔ نکاح کی ترغیب دی گئی اور اس کا طریقہ بتایا گیا۔ محرمات، جن سے نکاح نہیں ہوسکتا اس کی تفصیل بتائی گئی۔ نکاح کے بعد میاں بیوی کے درمیان خوش گوار تعلقات کیسے ہوں؟ میاں بیوی کے حقوق اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ کبھی ان کے درمیان طلاق کی نوبت آئے تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟ طلاق کے بعد عورت کی عدت کتنی ہوگی؟ نان ونفقہ کیا ہے اور اس کے شرائط کیا ہیں؟ خلع، وصیت، ہبہ اور وراثت کیا ہے اور اس کا طریقہ کیا ہے؟ یہ تمام باتیں قرآن میں بہت تفصیل سے بیان ہوئی ہیں اور احادیث میں بعض مسائل کی مزید وضاحت پائی جاتی ہے۔ اس کے بعد بھی کوئی سوال ابھرتا ہے تو علما اور فقہاء کرام نے قرآن وحدیث کی روشنی میں اس کا جواب دیا ہے۔

خانگی احکام وہدایات سے غفلت احکام الٰہی سے غفلت ہے

قرآن وحدیث میں خالص عبادات کی طرح خانگی زندگی سے متعلق احکام کی پابندی کی بھی تاکید کی گئی ہے، لیکن بہت سے وہ لوگ جو نماز روزہ اور دوسری عبادات کے پابند ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں، وہ بھی ان احکام کے تعلق سے غفلت برت جاتے ہیں یا ان سے کوتاہی ہونے لگتی ہے۔ اس کی اہمیت وہ اس طرح محسوس نہیں کرتے جس طرح نماز

روزہ جیسی عبادت کی محسوس کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں احکامِ طلاق کے بیان کے بعد کہا گیا:

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَ مَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ (البقرۃ:۲۲۹)

یہ اللہ کے حدود ہیں، ان سے آگے نہ بڑھو۔ جو لوگ اللہ کے حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں وہ ظالم ہیں۔

قرآن وحدیث کی اصطلاح میں ظالم وہ ہے جو اللہ کے بتائے ہوئے قانون کو توڑ دے اور اس سے آگے بڑھ جائے۔

سورۂ نساء میں وراثت کے احکام بہت تفصیل سے بیان ہوئے ہیں اور بتایا گیا ہے کہ وراثت میں ماں، باپ، بیوی، بچوں اور بھائی، بہن کا کیا حق ہے؟ بعض مسائل کی وضاحت احادیث میں موجود ہے۔ احکامِ وراثت کے بیان کے بعد اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ یعنی اللہ نے یہ حدود متعین کر دیے ہیں۔ تمہاری وراثت اسی کے اندر اور اسی کے مطابق تقسیم ہونی چاہیے۔ جو لوگ ان احکام کی پیروی کرتے ہیں ان کے بارے میں اسی آیت میں آگے فرمایا:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ (النساء:۱۳)

جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے، اللہ تعالیٰ اسے ایسی جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہوں گی جہاں وہ ہمیشہ رہے گا۔ یہی بڑی کامیابی ہے۔

اس کے برخلاف جو لوگ ان احکام کی خلاف ورزی کریں، ان کے بارے میں فرمایا:

وَ مَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ يَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾ (النساء:۱۴)

جو کوئی احکامِ خداوندی کی خلاف ورزی کرے گا اللہ تعالیٰ اسے جہنم میں ڈالے گا، جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اور اس کے لیے رسوا کن عذاب ہے۔

اللہ کے حدود توڑنے کی سزا یہ بتائی گئی ہے کہ آدمی ہمیشہ جہنم میں پڑا رہے گا۔ قرآن میں کبھی کبھی ہمیشہ کا لفظ لمبی مدت کے لیے بھی آتا ہے۔ اگر کوئی آدمی مسلمان ہے تو اپنی سزا بھگتنے کے بعد نجات پا جائے گا۔ قرآن یہاں کہہ رہا ہے کہ تمہاری وراثت اسی طرح تقسیم ہونی چاہیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ آدمی جب مرجاتا ہے تبھی اس کی وراثت تقسیم ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ میت سے نہیں پوچھے گا، بلکہ ان لوگوں سے پوچھے گا جو میت کے وارث تھے کہ بیوی، بچے، ماں، باپ اور بھائی، بہن کا جو حق تھا وہ کیوں ہڑپ کر گئے۔ اس کی تقسیم میں تم نے کوتاہی کیوں کی؟ اللہ تعالیٰ نے ان احکام کے تعلق سے اتنی تنبیہ کیوں کی ہے؟ اس پر آدمی کو غور وفکر کرتے رہنا چاہیے، تاکہ وہ ان احکام کی ادائیگی میں کوتاہی سے بچا رہے۔

سورۂ طلاق میں طلاق کے احکام بیان ہوئے ہیں اور اس کی کچھ تفصیل بھی آئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِيْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا ۸ فَذَاقَتْ وَبَالَ اَمْرِهَا وَ كَانَ عَاقِبَةُ اَمْرِهَا خُسْرًا ۹ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا ۙ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِي الْاَلْبَابِ ۚۛ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۛ قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا ۱۰

(الطلاق: ۸-۱۰)

کتنی ہی بستیاں ہیں جنھوں نے اپنے رب اور اس کے رسولوں کے حکم سے سرتابی کی تو ہم نے ان سے سخت محاسبہ کیا اور ان کو بری طرح سزا دی۔ انہوں نے اپنے کیے کا مزہ چکھ لیا اور انجام کار ان کا گھاٹا ہی گھاٹا ہے۔ اللہ نے (آخرت میں) ان کے لیے سخت عذاب مہیا کر رکھا ہے، پس اللہ سے ڈرتے رہو اے عقل والو! جو ایمان رکھتے ہیں۔ اللہ نے تمھارے لیے یہ نصیحت نازل کی ہے۔

اللہ کی نافرمانی کوئی معمولی چیز نہیں ہے۔ جب کوئی بستی یا جماعت سرکشی کا رویہ اختیار کرتی ہے تو اللہ تعالیٰ اسے سخت عذاب سے دوچار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جو کتاب نازل کی ہے اس میں ہماری ہدایت کا سارا سامان موجود ہے۔ اس نے اس میں وہ تمام تفصیلات بیان کر دی ہیں جن سے یہ پتہ چلے کہ کون سا راستہ سیدھا ہے اور کون سا

راستہ ٹیڑھا؟ کامیابی کس راہ میں ہے اور کون سی راہ دنیا وآخرت کی ناکامی سے دوچار کرنے والی ہے۔

پرسنل لا پر مسلمانوں نے ہر دور میں عمل کیا ہے

نکاح، طلاق، خلع، عدت، نان ونفقہ، وراثت، ہبہ اور اوقاف، اس نوع کے بعض اور مسائل کو آج کی اصطلاح میں پرسنل لا کہا جاتا ہے۔ ان پر مسلمانوں کے تمام ادوار میں عمل ہوتا رہا ہے۔ جب سے یہ احکام نازل ہوئے ہیں مسلمان اس پر عمل کرتے رہے ہیں۔ اگر کسی بھی معاملہ میں غلطی ہوئی ہے تو لوگوں نے غلطی تسلیم کی ہے اور اس کے اصلاح کی کوشش کی ہے۔ جب کسی گروہ یا فرد نے غلطی پر اصرار کیا تو امت نے اس سے دوری اختیار کی ہے۔ چاہے مسلمان اقتدار میں رہے ہوں یا نہ رہے ہوں، اقلیت میں رہے ہوں یا اکثریت میں، کوئی دور ایسا نہیں گزرا کہ مسلمانوں نے اس پر عمل نہ کیا ہو۔ امید ہے آئندہ بھی مسلمان اس کے پابند رہیں گے اور اس راہ کی رکاوٹوں کو دور کرنے کی سعی کریں گے۔

کامن سول کوڈ

بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ اس ملک کے لیے ایک کامن سول کوڈ ہونا چاہیے۔ چنان چہ آج کل ہر طرف کامن سول کوڈ کا چرچا سننے میں آ رہا ہے۔ اس پر بحث و مباحثہ بھی ہو رہا ہے، جسے پرسنل لا کہا جاتا ہے۔ اس پر مسلمان اس وقت بھی عمل کرتے رہے ہیں، جب ان کے ہاتھ میں اقتدار تھا اور اس وقت بھی عمل کرتے رہے ہیں جب ان کے ہاتھ سے اقتدار نکل گیا۔ اس وقت بھی انہوں نے اس پر عمل کیا جب وہ اکثریت میں تھے اور اس وقت بھی عمل کر رہے ہیں جب وہ اقلیت میں ہیں۔ کوئی دور ایسا نہیں گزرا جس میں مسلمانوں نے اپنے پرسنل لا پر عمل نہ کیا ہو۔ کسی نے اگر اس کی خلاف ورزی کی تو امت نے اسے قبول نہیں کیا۔ امت کے درمیان ہمیشہ اسے غلط اور ناروا کام سمجھا گیا۔

مسلمانوں کا اپنے پرسنل لا پر عمل ہر دور میں رہا ہے

مسلمانوں نے اپنے دور اقتدار میں خود بھی اپنے پرسنل لا پر عمل کیا اور دوسروں کو بھی ان کے پرسنل لا پر عمل کی آزادی دی۔ دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے سلسلے میں یہ بات قرآن میں وضاحت کے ساتھ کہی گئی ہے کہ وہ اپنے قانون پر عمل کر سکتے ہیں۔ فقہا نے کہا ہے کہ ان کا قاضی اور وکیل بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ اگر اسلامی حکومت کے پاس ان کے معاملات آئیں گے تو وہ اپنے قانون کے تحت فیصلہ کرے گی۔

پرسنل لا کی جو آزادی انگریزوں کے زمانے میں تھی، اس پر بڑی حد تک اس وقت عمل بھی ہوتا تھا۔ ہندوستان کی آزادی کے بعد نئے ہندوستانی دستور میں بھی اس کا اہتمام

کیا گیا، لیکن موجودہ دور میں کامن سول کوڈ کا مسئلہ بار بار اٹھایا جاتا ہے اور یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ کامن سول کوڈ کا ہونا اس ملک کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اگر ایسا کوئی قدم اٹھایا جاتا ہے تو دستور کی طرف سے ملی ہوئی مذہبی آزادی کا کوئی معنیٰ نہیں رہ جاتا۔ یہاں کے تمام طبقات، چاہے وہ مسلم ہوں یا غیر مسلم، سکھ ہوں یا عیسائی یا مختلف قبائل ان سب کے اپنے قوانین اور رسوم ورواج ہیں، ہر شخص اپنے رسم ورواج اور اپنے مذہبی قوانین پر عمل کرنے میں آزاد ہے۔ کامن سول کوڈ کا نفاذ دستور میں موجود مذہبی آزادی کو ختم کر کے رکھ دے گا۔

ہندوستان میں مسلمانوں کی آٹھ نو سو سال تک حکومت رہی۔ اس طویل مدت میں وہ خود بھی مسلم پرسنل لا پر عمل کرتے رہے اور دوسروں کو بھی پوری آزادی دی کہ وہ اپنے پرسنل لا پر عمل کریں۔ اس کے بعد تقریباً ڈیڑھ سو سال تک ہندوستان پر انگریزوں کی حکومت رہی۔ ان کے دور میں بھی اس پر عمل ہوتا رہا ہے۔ انہوں نے بھی یہ ضمانت دی تھی کہ مسلمانوں کا پرسنل لا محفوظ رہے گا اور عدالت میں اسی کے مطابق فیصلے ہوں گے۔ چنان چہ قرآن، حدیث اور فقہ کی کتابوں میں جو احکامِ شریعت بیان ہوئے ہیں اس کے مطابق فیصلہ ہوتے تھے۔ کبھی اس سے ہٹ کر فیصلہ ہوا تو مسلمانوں نے اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

دستور ہند اور پرسنل لا

ہمیں یہ بات ذہن میں رکھنی چاہیے کہ ہندوستان کے دستور نے اس بات کی ضمانت دی ہے کہ ہر مذہب کا ماننے والا اپنے پرسنل لا پر عمل کر سکتا ہے۔ اس میں مسلمان اور دیگر اقوام کے علاوہ وہ قبائل بھی ہیں جن کی اپنی تہذیب اور روایات ہیں۔ ان روایات کو یہاں قانون کا درجہ حاصل ہے۔ اس لیے ان سے ہٹ کر کوئی کام نہیں ہونا چاہیے۔

بار بار پرسنل لا میں تبدیلی کے سلسلے میں دستور کا حوالہ بھی دیا جاتا ہے۔ دستور کے ابتدائی حصہ میں جہاں بہت سی اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں، وہیں دفعہ ۴۴ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حکومت کوشش کرے گی کہ پورے ملک کے لیے یکساں سول کوڈ ہو۔ عدالتیں حکومت سے سوال کرتی رہتی ہیں کہ آپ اس پر عمل کب کریں گے؟ لیکن ہر حکومت اس کو

نظر انداز کرتی رہی ہے، کیوں کہ دستور کی دفعہ ۲۵ میں مذہبی آزادی کا جو حق دیا گیا ہے وہ بنیادی حق ہے اسے ختم کیے بغیر کامن سول کوڈ پر عمل دشوار ہے۔ یہاں ضمناً یہ بات بھی عرض کرنی ہے کہ اسلام نے تمام شعبہ ہائے حیات کے لیے قانون دیا ہے۔ دورِ حاضر اسے تسلیم نہیں کرتا۔ وہ صرف شخصی اور عائلی قوانین ہی پر عمل کا حق دیتا ہے۔ اس سے آگے نہیں۔ دستور نے اس کی بھی وضاحت کی ہے کہ ہر شخص اپنے مذہب پر عمل کرسکتا ہے اور اسے اپنے مذہب کی تبلیغ کی بھی اجازت دی ہے۔ مسلمان اسلام کا وسیع تصور ملک کے سامنے پیش کریں تو اسے دستور کے خلاف نہیں کہا جا سکتا۔

مذہبی آزادی اور بنیادی حقوق

ہر شخص کا یہ ایک بنیادی اور دستوری حق ہے کہ وہ جو مذہب چاہے اختیار کرے اور اس پر عمل کرے۔ کوئی جمہوری حکومت اس آزادی کو ختم نہیں کرسکتی۔ جہاں تک کامن سول کوڈ کا تعلق ہے یہ ایک سفارش ہے اور مذہبی آزادی کو قانونی درجہ حاصل ہے۔ اس لیے کسی سفارش پر عمل کے لیے کسی قانونی حق کو ختم کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اس ملک میں بہت سے قبائل اور مذاہب کے ماننے والے موجود ہیں جن کے اپنے اپنے طور طریقے ہیں، ان سب کے لیے ایک قانون بن سکتا ہے کہ نہیں؟ یہ ایک بڑا مسئلہ ہے۔ اسی لیے کسی حکومت نے اب تک یہ ہمت نہیں کی کہ اس طرح کا کوئی قانون بنایا جائے، کیوں کہ اگر اس طرح کا کوئی قانون بنتا ہے تو وہ ایک کے لیے قابل قبول ہوگا اور دوسرے کے لیے نا قابل قبول۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو اب تک کامن سول کوڈ بن چکا ہوتا۔

مومن فقط احکامِ الٰہی کا ہے پابند

اگر اس طرح کا کوئی قانون بنتا ہے تو مسلمان مجبور ہوں گے کہ وہ اپنے شرعی احکام پر عمل کریں۔ وہ نکاح اسی طرح کریں گے جس طرح ان کو حکم دیا گیا ہے۔ اگر چہ عدالتیں اس طرح کا فیصلہ دے رہی ہیں کہ اگر کوئی لڑکا اور لڑکی ایک ساتھ کچھ وقت یا چند سال گزار لیں

تو قانونی طور پر وہ میاں بیوی تسلیم کیے جائیں گے۔ظاہر ہے یہ قانون اسلامی احکام کے خلاف ہے۔ان سے جو اولاد پیدا ہوگی وہ ناجائز اولاد ہوگی۔حکومت چاہے کوئی بھی قانون بنالے، میاں بیوی ہونے کے لیے محض یہ بات کافی نہیں ہے کہ ایک لڑکا اور لڑکی ساتھ رہ رہے ہیں اور ان میں سے کسی نے دوسرے کے نگراں کی حیثیت سے دستخط کردیے ہیں، اسلام کے نزدیک یہ تعلق نکاح کا بدل نہیں ہے۔اس کی وجہ سے شرعاً دونوں کے وہ حقوق اور ذمہ داریاں بھی نہ ہوں گی جو نکاح کی شکل میں عائد ہوتے ہیں۔

اسلامی قانون ہر نقص سے پاک ہے

جولوگ کامن سول کوڈ کی بات کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ (نعوذ باللہ) اسلامی تعلیمات میں نقص ہے، اسی وجہ سے مسلم معاشرے میں بے اعتدالیاں پائی جاتی ہیں۔ سوچنے کی بات ہے کہ اگر ان تعلیمات میں ناانصافیاں اور بے اعتدالیاں پائی جاتیں تو صدیوں تک تسلسل کے ساتھ اس پر عمل ممکن نہ ہوتا۔اسلامی قانون پر اعتراض بالعموم لاعلمی اور ناواقفیت کا نتیجہ ہوتا ہے۔اگر اسلامی قانون میں کوئی نقص نظر آئے تو اس سلسلے میں ان اصحاب کی طرف رجوع کرنا چاہیے جو اسلام کا علم رکھتے ہیں اور جن کا دینی اعتبار ہے۔ یہ جاننے کی کوشش کرنی چاہیے کہ جس قانون پر ایک طویل عرصہ تک عمل ہوتا رہا، اس کی کیا بنیاد ہے۔کوئی شخص اگر یہ سمجھنا چاہے تو مسلمان اصحابِ علم دلیل سے یہ بات سمجھا سکتے ہیں کہ اسلامی قانون ظلم وزیادتی سے پاک ہے۔

میرے دوستو اور ساتھیو! ہم پُر زور الفاظ میں یہ اعلان کرتے ہیں کہ ہم کبھی اس بات کو گوارا نہیں کرسکتے کہ مسلم پرسنل لا میں مداخلت ہو۔یہ ایسے ہی باقی رہے گا جیسے قرآن وحدیث میں ہے۔اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ہم اسی پر عمل کریں گے اور جو آدمی اس پر عمل نہیں کرتا اسے مسلم سماج گوارا نہیں کرے گا۔اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمارے اندر وہ ہمت و حوصلہ پیدا کرے کہ ہم اللہ کے قانون کی حفاظت بھی کریں اور اس پر عمل بھی کریں، اسی سے ہم دنیا اور آخرت میں کام یاب ہوسکتے ہیں۔

چار شادیوں کا مسئلہ

اس وقت ملکی بلکہ عالمی سطح پر مسلمانوں کے عائلی قوانین یا پرسنل لا پر جو اعتراضات کیے جاتے ہیں ان میں ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ اسلام نے مرد کو چار شادیوں کی اجازت دی ہے۔ یہ عورت پر سراسر ظلم ہے، اسے ختم ہونا چاہیے۔ مسلمانوں اور انگریزوں کے دورِ حکومت میں مسلم پرسنل لا سے متعلق فیصلے اسلامی قوانین کے تحت کیے جاتے تھے۔ عدالتیں کبھی اس کے خلاف نہیں جاتی تھیں۔ اگر کوئی فیصلہ اس کے خلاف آتا تو عدالتوں کو اس کی طرف متوجہ کیا جاتا۔ عدالتیں احکام شریعت کا احترام کرتیں۔ لیکن اب جو نئی صورت حال پیدا ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ عدالتیں مسلم پرسنل لا کے خلاف فیصلے کر رہی ہیں اور بار بار حکومت کو متوجہ کر رہی ہیں کہ مسلم خواتین کے ساتھ ہونے والی ناانصافی کو ختم کرنے کے اقدامات کیے جائیں۔ ان میں چار شادیوں کا مسئلہ بھی ہے۔

چار شادیوں پر اعتراض

بعض اصحاب جو موجودہ فضا سے متاثر ہیں، کہتے ہیں کہ چار شادیوں کا جواز قرآن سے ثابت نہیں ہے، بلکہ یہ بعد کے مولویوں اور مذہب کے ٹھیکے داروں کی ایجاد ہے۔ اسی طبقہ میں وہ لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ چار شادیوں کا ذکر قرآن میں موجود تو ہے، لیکن یہ ایک خاص ماحول میں تھا، اب وہ حالات نہیں رہے، اس لیے اس پر عمل نہیں ہو سکتا۔

تعدد ازواج کی اجازت قرآن میں

یہ بات ذہن میں رہنی چاہیے کہ دنیا کی دیگر قوموں کی طرح عرب میں بھی تعدد ازواج کا رواج تھا۔ ایک سے زیادہ شادیوں کو معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ جنگِ احد میں ستر مسلمان شہید ہو گئے تو مدینہ کی چھوٹی سی آبادی کے لیے یہ ایک بڑا واقعہ تھا۔ میدان جنگ میں عورتیں، بچے اور بوڑھے شریک نہیں ہوتے۔ مرنے والے عموماً جوان ہی ہوتے ہیں۔ جنگ کے بعد جو عورتیں بیوہ اور جو بچے یتیم ہو گئے ان کا مسئلہ بڑا اہم تھا۔ اس پس منظر میں سورۂ النساء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَ اِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِي الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً
(النساء:۳)

اگر تمہیں ڈر ہے کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو جو دوسری عورتیں تمہیں پسند آئیں ان سے نکاح کرلو۔ دو دو تین تین اور چار چار تک۔ لیکن اگر تم اس بات سے ڈرتے ہو کہ ان کے ساتھ انصاف نہ کرو گے تو ایک ہی سے نکاح کرو۔

صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یتیم لڑکی شکل وصورت کے لحاظ سے قابلِ قبول نہ ہوتی، لیکن دولت والی ہوتی تو اس کا سرپرست دولت کی وجہ سے اس سے نکاح کر لیتا اور ٹھیک سے مہر بھی نہ ادا کرتا۔ آیت میں کہا گیا کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ لڑکی کے ناپسند ہونے کے باوجود محض دولت کی وجہ سے اس سے نکاح کرلیا جائے۔ اس صورت میں اس کے ساتھ انصاف نہ ہو سکے گا۔ تمہیں نکاح کرنا ہے تو دوسری وہ عورتیں جن سے تمہارا نکاح جائز ہے ان سے نکاح کر سکتے ہو۔

اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر تمہیں اس بات کا اندیشہ ہو کہ تم یتیموں کے ساتھ انصاف نہ کرسکو گے تو اس کا حل یہ ہے کہ تم ان کی بیوہ ماؤں سے، جن سے نکاح جائز ہے، نکاح کرلو۔ اس طرح ان بیواؤں کا مسئلہ بھی حل ہوگا، وہ ازدواجی زندگی

گزار سکیں گی اور یتیموں کو ماں کی شفقت حاصل ہوگی۔اس سے ان کی بہتر نگہ داشت اور تربیت ہوسکے گی۔

یہ اجازت مستقل ہے

اس میں شک نہیں کہ یہ آیت ایک خاص موقع پر نازل ہوئی تھی لیکن یہ بات بالکل غلط ہے کہ ایک سے زیادہ شادیوں کی اجازت ان ہی مخصوص حالات کے لیے دی گئی تھی۔ اب وہ حالات بدل گئے، اس لیے یہ اجازت باقی نہیں رہی۔آیت میں اس کا صراحتاً یا اشارتاً کوئی ذکر نہیں ہے۔پھر یہ کہ پوری اسلامی تاریخ اس کی تردید کرتی ہے۔رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں اس پر عمل ہوا، صحابہ اور تابعین کے دور میں عمل ہوا، تبع تابعین کے دور میں عمل ہوا، ہر دور کے مسلمان اس پر عمل کرتے چلے آرہے ہیں۔کسی بھی دور میں اسے ایک وقتی تدبیر نہیں سمجھا گیا۔کسی ایسے شخص کا، جس کی قرآن وحدیث پر نظر ہو، جس کا کوئی دینی اور علمی اعتبار ہو اور جسے علما وفقہائے امت میں شمار کیا جاتا ہو، اس کے خلاف آواز نہ اٹھانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان سب کے نزدیک قرآن کی اس آیت میں ایک وقتی تدبیر نہیں بتائی گئی ہے، بلکہ اس میں دی گئی اجازت مستقل ہے۔

اجازت مشروط ہے

اس آیت میں جو باتیں بیان ہوئی ہیں اور اسلامی تعلیمات کی روشنی میں فقہاء امت نے جو تفصیلات پیش کی ہیں ان میں سے بعض کا یہاں ذکر کیا جارہا ہے:

۱- قرآن نے ایک سے زیادہ شادی کی بعض شرائط کے ساتھ اجازت دی ہے۔ اس کا حکم دیا ہے نہ اس کی حوصلہ افزائی کی ہے۔

۲- اہل عرب جتنی بیویاں چاہے رکھ سکتے تھے۔اس آیت نے چار کی حد مقرر کردی۔اس سے زیادہ بیویاں آدمی نہیں رکھ سکتا۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دور میں ایک صاحب اسلام لائے تو ان کی دس بیویاں تھیں۔آپؐ نے فرمایا: ''قرآن نے چار کی

اجازت دی ہے تم چار کو رکھو اور باقی کو چھوڑ دو"۔ ایک صاحب اسلام لائے تو ان کی پانچ بیویاں تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: "ان میں سے چار کو اپنی زوجیت میں رکھو اور ایک کو الگ کردو۔"

۳-قرآن نے بیویوں کے درمیان عدل کو لازم قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی نان ونفقہ، دیگر اخراجات اور شب باشی وغیرہ میں ان کے درمیان مساوات برتے گا۔ اس میں کوتاہی یا غفلت کی اسے اجازت نہ ہوگی اور وقت ضرورت اس معاملہ میں عورت اسلامی عدالت یا دارالقضا کی طرف رجوع بھی کرسکتی ہے۔

۴-آدمی کو جسمانی لحاظ سے اس پوزیشن میں ہونا چاہیے کہ وہ بیوی سے جنسی تعلق رکھ سکے اور تسکین پہنچا سکے۔ یہ اس کا بنیادی حق ہے۔ ایک سے زیادہ بیویاں ہوں تو ان سب کا یہ شرعی حق ہے۔ اگر آدمی اس موقف میں نہ ہو تو عورت اس سے علیٰحدگی اختیار کرسکتی ہے۔

۵-مرد کے ذمہ بیوی کا نان ونفقہ ہے، اس میں کھانا کپڑا اور رہائش شامل ہے۔ اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے کہ بیوی کی صحت کی نگہداشت ہو اور اس کے دوا اور علاج کا اہتمام کیا جائے۔ عورت صاحب حیثیت خاندان سے تعلق رکھتی ہو تو فقہا نے لکھا ہے کہ اس کے لیے ملازم کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔

۶-اگر ایک بیوی دوسری بیوی کے ساتھ رہنا نہیں چاہتی تو شوہر کی ذمہ داری ہے کہ اس کے لیے الگ گھر فراہم کرے۔

۷-جس طرح تمام بیویوں کے حقوق یکساں ہیں اسی طرح ان کی اولاد کے حقوق بھی برابر ہیں۔ حق سے مراد صرف ان کی معاشی ذمہ داری ہی نہیں، ان کی تعلیم وتربیت بھی ہے۔ اسلام چاہتا ہے کہ انسان کی اولاد اس کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہو اور آخرت میں وہ سرخ رو اور کامیاب ہو۔

اس میں شک نہیں کہ مرد کو چار تک بیویاں رکھنے کی اجازت ہے لیکن ان پابندیوں کی وجہ سے آدمی کم ہی اس کی ہمت کرسکتا ہے۔

غلط پروپیگنڈا

بعض لوگوں نے چار شادیوں کے مسئلہ کو ایک سیاسی مسئلہ بنا دیا ہے اور ملک میں اس کے خلاف فضا بنا رہے ہیں۔ان کے نزدیک چار شادیوں کی وجہ سے مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔ایک وقت آئے گا جب ان کی آبادی ہندوؤں کی آبادی سے زیادہ ہو جائے گی،اس لیے وہ ہندو بھائیوں کو یہ مشورہ دیتے ہیں کہ وہ زیادہ بچے پیدا کریں۔وہ ایک سے زیادہ شادی کی مخالفت اس لیے نہیں کر رہے ہیں کہ انہیں عورت سے ہمدردی ہے یا اسے وہ عورت پر ظلم سمجھ رہے ہیں، بلکہ اس کی مخالفت اس لیے کر رہے ہیں کہ اس سے مسلمانوں کی آبادی بڑھ رہی ہے۔حالاں کہ یہ خلاف واقعہ بات ہے۔اس پر ایک خاص پہلو سے غور کیا جا سکتا ہے۔

مردوں اور عورتوں کا تناسب حکمتِ الٰہی کے تحت ہے

دنیا میں عورتوں اور مردوں کا ایک خاص تناسب ہے۔یعنی جتنے مرد ہوں گے اتنی ہی عورتیں ہوں گی۔اتفاق ہی سے کبھی ایسی صورت پیدا ہو سکتی ہے جس میں عورتوں یا مردوں کی تعداد ایک دوسرے سے زیادہ ہو،جیسا کہ موجودہ دور میں اس بات کی دانستہ کوشش کی جا رہی ہے کہ لڑکیاں پیدا نہ ہوں اور رحم مادر ہی میں انہیں ختم کر دیا جائے۔عام طور سے دونوں کی تعداد تقریباً برابر رہتی ہے۔یہ بات سوچنے کی ہے کہ جہاں ایک ہزار مردوں کے لیے ایک ہزار ہی عورتیں ہوں وہاں چار شادیوں کا رواج کیسے عام ہو سکتا ہے؟ آپ کسی بھی مسلم آبادی کا جائزہ لے کر دیکھ سکتے ہیں کہ اس میں کتنے افراد ہیں جن کی ایک سے زیادہ بیویاں ہیں۔ہمارے ملک میں عورتوں کا تناسب مردوں سے کافی کم ہے۔اترا کھنڈ میں ایک ہزار مردوں کے مقابلہ میں آٹھ سو عورتیں ہیں۔اس لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ ایک سے زیادہ شادیوں کا رواج عام ہو۔

دوسری قوموں میں تعدد ازواج کا رواج زیادہ ہے

اس کے باوجود ہمارے ملک میں ایک سے زیادہ شادیاں ہوتی ہیں۔اعداد وشمار بتاتے ہیں کہ بعض دوسری قوموں میں ایک سے زیادہ بیویاں رکھنے کا رواج مسلمانوں کے مقابلے میں زیادہ ہے۔خاص بات یہ ہے کہ اس میں پہلی بیوی ہی کو حقیقی بیوی تسلیم کیا جاتا ہے۔دوسری بیوی کو پہلی بیوی کا درجہ اور مقام حاصل نہیں ہوتا۔دوسری بیویوں کو معاشرہ میں جس حقارت سے دیکھا جاتا ہے اور جس طرح وہ ظلم کا نشانہ بنتی رہتی ہیں،عدالتوں کو چاہیے کہ اس کا جائزہ لیں اور اس کے سدِّ باب کی راہیں تلاش کریں۔ اسلام میں کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو ان کے درمیان فرق وامتیاز کو وہ جائز نہیں سمجھتا، بلکہ قانوناً اسے جرم قرار دیتا ہے۔

طلاق کے بعض مسائل

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۠ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

طلاق دو مرتبہ ہے۔ اس کے بعد یا تو عورت کو دستور کے مطابق روک لیا جائے یا بھلے طریقے سے رخصت کر دیا جائے۔ (البقرۃ:۲۲۹)

پرسنل لا کے جن مسائل پر لوگوں کو اعتراض ہے ان میں سے ایک طلاق کا وہ طریقہ بھی ہے، جو قرآن وحدیث میں بیان ہوا ہے۔ خود ہمارے معاشرے میں بھی طلاق کے صحیح طریقے سے لوگوں کو واقفیت نہیں ہے۔ اگر کسی درجہ میں واقفیت ہے بھی تو اس پر عمل نہیں کیا جاتا یا اس کی اہمیت محسوس نہیں کی جاتی۔ ہماری کمزوری یہ ہے کہ ہم اسلام کے ماننے والوں کو بھی احکام شریعت کا پابند نہیں بنا پا رہے ہیں۔

طلاق کا درست طریقہ

طلاق کارِ ثواب یا کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ بعض اوقات طلاق آدمی کی ضرورت اور مجبوری ہوتی ہے۔ اہل عرب جتنی مرتبہ چاہے طلاق دیتے اور جب چاہے رجوع کر لیتے۔ قرآن نے صاف لفظوں میں کہا کہ طلاق دو مرتبہ دی جا سکتی ہے۔ دو مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ طلاق وقفہ وقفہ سے ہونی چاہیے۔ یعنی آدمی کو یہ حق صرف دو مرتبہ دیا گیا ہے، جن میں اس کو رجوع کا اختیار حاصل رہے گا۔ اگر اس نے تیسری مرتبہ طلاق دی تو قرآن نے کہا:

فَاِنۡ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنۡۢ بَعۡدُ حَتّٰى تَنۡكِحَ زَوۡجًا غَيۡرَهٗ‌ؕ (البقرۃ:۲۳۰)

پھر اگر (دوبار طلاق دینے کے بعد شوہر نے عورت کو تیسری بار) طلاق دے دی تو وہ عورت پھر اس کے لیے حلال نہ ہوگی الاّ یہ کہ اس کا نکاح کسی دوسرے شخص سے ہو۔

مطلب یہ کہ تیسری طلاق کے بعد آدمی رجوع نہیں کرسکتا، جب تک کہ اس (عورت) کی شادی کہیں دوسری جگہ نہ ہوجائے اور جس سے شادی ہوئی ہے اس سے ازدواجی تعلقات نہ قائم ہوجائیں، پھر وہ کسی وجہ سے طلاق دے دے یا اس کا انتقال ہوجائے، تب پہلا شوہر اس سے دوبارہ نکاح کرسکتا ہے۔ یہ طریقۂ کار اس لیے اختیار کیا گیا کہ بیوی کو تیسری طلاق دینے سے پہلے آدمی ہزار بار سوچے کہ اب اس سے ازدواجی تعلق ختم ہوجائے گا۔ اس کے بعد ایسی صورت پیدا ہوجائے گی جس میں دوبارہ نکاح اس کے لیے مشکل ہوجائے گا۔ وہ یہ کہ جس عورت کو اس نے طلاق دی ہے اس سے دوسرا شخص شادی کرے، وہ کسی وجہ سے اسے طلاق دے یا انتقال کرجائے، پھر وہ عورت اس سے شادی کرنے کے لیے راضی ہو۔ اس میں امکان سے زیادہ عدم امکان پایا جاتا ہے۔

مروّجہ حلالہ مبغوض عمل ہے

اپنی مطلقہ بیوی سے دوبارہ شادی کرنے کے لیے بہت سے لوگ طے شدہ شرطوں پر حلالہ کرواتے ہیں۔ جو لوگ بھی ایسا کرتے یا کرواتے ہیں، وہ شریعت کے ساتھ ایک طرح کا مذاق کرتے ہیں۔ ان کے اس عمل پر قانوناً گرفت کرنا مشکل ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ سخت مبغوض عمل ہے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے: **لعن الله المحلل والمحلل له** (اللہ کی لعنت ہے اس شخص پر جو حلالہ کرتا ہے اور اس شخص پر بھی جس کے لیے حلالہ کیا گیا ہے) اس وعید کے بعد کوئی شخص اس مقصد کے لیے نکاح کرے گا نہ طلاق دے گا۔

طلاق کی جو اجازت دی گئی ہے، اس میں صاف لفظوں میں کہا گیا ہے کہ یہ دونوں طلاق ایک ساتھ نہ ہوں، بلکہ دو مرتبہ میں ہوں۔ (البقرہ:۲۲۹) اس کی تفصیلات احادیث

میں بیان ہوئی ہیں۔

آدمی اگر طلاق دینا ہی چاہے تو کہا یہ گیا ہے کہ عورت جب پاکی کی حالت میں ہو اور وہ ماہواری کے مرحلے سے نہ گزر رہی ہو، تو طلاق دی جائے اور اس سے ازدواجی تعلق قائم کیے بغیر طلاق دی جائے۔ ظاہر ہے کہ آدمی جب تک بہت سوچ سمجھ کر فیصلہ نہیں کرے گا اس پر عمل نہیں کرے گا۔

مطلقہ کی عدّت

طلاق دینے کے بعد مسئلہ یہ ہے کہ اب عورت عدت گزارے گی۔ عدت کے بارے میں قرآن وحدیث میں بتایا گیا ہے کہ جن عورتوں کی ماہواری آتی ہے ان کی عدت تین ماہواری ہوگی۔ (البقرہ:۲۲۸) کبھی کبھی ایک اور دوسری ماہواری کے درمیان مہینوں کا وقفہ ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں بھی یہی حکم ہے کہ پاکی کی حالت میں طلاق دے اور تین ماہواری کا انتظار کرے۔ جن عورتوں کی ماہواری بند ہو چکی ہے یا جو عورتیں ابھی کم سن ہیں اور ماہواری شروع نہیں ہوئی ہے، ان دونوں کی عدت تین مہینے ہوگی۔ حاملہ کی مدت وضع حمل ہے۔ (الطلاق:۴) اس بیچ میں مرد اپنی بیوی سے رجوع کرسکتا ہے۔

یہ رجعت کیسے ہوگی؟ رجعت اس طرح ہوسکتی ہے کہ آدمی بیوی سے کہے کہ جو کچھ ہوا، سو ہوا، اب ہم ساتھ ہی رہیں گے۔ یا آدمی ایسا رویہ اختیار کرے کہ دونوں میاں بیوی معلوم ہوں تو اس کو رجعت مانا جائے گا۔ امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اس کے لیے گواہوں کی ضرورت نہیں ہے، لیکن امام شافعیؒ کے نزدیک رجوع پر بھی گواہ ہونا اچھا ہے۔ یہی بات زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ قرآن سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ (الطلاق:۲) اس سے بعد میں پیدا ہونے والے اختلافات سے بچا جاسکتا ہے۔

عدت کے دوران میں عورت کے لیے ضروری قرار دیا گیا کہ وہ شوہر کے گھر ہی پر رہے اور شوہر کو حکم دیا گیا کہ نہ تم اسے نکالو گے اور نہ وہ تمہارا گھر چھوڑ کر کسی اور جگہ جائے گی۔ (الطلاق:۱) یہ اس لیے کہ اس درمیان میں ان کا غصہ بھی کم ہوگا، ایک دوسرے سے

شکایت بھی دور ہوسکتی ہے۔ انہیں اپنے حالات پر، اولاد اور گھر کے مسائل پر غور وفکر کرنے کا موقع ملے گا۔

ایک یا دو طلاق کے بعد تین ماہواری گزر گئی اور شوہر نے رجوع نہیں کیا تو طلاقِ بائن واقع ہوجائے گی۔ اور میاں بیوی کا رشتہ ختم ہوجائے گا۔ طلاقِ بائن میں یہ گنجائش ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ دوبارہ ازدواجی زندگی گزارنا چاہیں تو ان کے لیے ازسرنو نکاح کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ فقہاءِ احناف نے لکھا ہے کہ صحابۂ کرام طلاق دیتے تو طلاقِ بائن ہی دیتے، لیکن اب جو نکاح ہوگا وہ نئے مہر کے ساتھ ہوگا اور عورت کی رضامندی اس میں شامل ہوگی۔ اسلام نے اتنی ساری پابندیاں اس لیے لگائی ہیں، تاکہ طلاق سے پہلے ان سب باتوں کو ذہن میں رکھا جائے۔

کسی شخص نے آج ایک مرتبہ طلاق دی اور رجوع کرلیا، پھر دو چار سال بعد ایک اور طلاق دی تو دو طلاق کا حق ختم ہوگیا۔ اس کے بعد زندگی کے کسی بھی مرحلے میں اگر وہ تیسری طلاق دیتا ہے تو طلاق مغلّظہ واقع ہوجائے گی۔

اگر کوئی شخص ایک ساتھ تین طلاق دے دے

اگر کسی نے قرآن کے احکام کے خلاف ایک ہی ساتھ تین مرتبہ طلاق دے دی اور کہہ دیا: طلاق، طلاق، طلاق، جیسا کہ ہمارے سماج میں عام طور پر ہوتا ہے تو ایسی صورت میں، امت کے عام علما اور فقہا کہتے ہیں کہ یہ غلط طریقہ ہے، لیکن طلاق واقع ہوجائے گی۔ فقہ حنفی میں اس طرح کی طلاق کو طلاق بدعت کہا گیا ہے، کیوں کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا خلافِ سنت ہے، لیکن اگر کوئی اس طرح طلاق دیتا ہے تو گنہ گار ہوگا، اس پر امت کوئی سزا بھی تجویز کرسکتی ہے۔

اس مسئلہ میں اہل حدیث حضرات کا اختلاف ہے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص ایک ہی مجلس میں تین نہیں، بلکہ تین سو مرتبہ بھی طلاق دے دے تو وہ ایک ہی طلاق سمجھی جائے گی اور اسے رجوع کا حق حاصل رہے گا۔ بعض اوقات دوسرے مسالک کے لوگ بھی

اس پر عمل کرتے ہیں۔ اسے غلط نہیں کہا جا سکتا۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نے محض زور دینے کے لیے طلاق، طلاق، طلاق تین مرتبہ کہا ہے، لیکن میرا مقصد ایک ہی طلاق دینے کا تھا، یا کوئی شخص اپنی کم علمی کی وجہ سے یہ سمجھتا ہو کہ طلاق تین ہی مرتبہ دی جاتی ہے، لیکن اس کا مقصد ایک ہی طلاق ہو تو اس کی بات مانی جا سکتی ہے۔ لیکن سوال اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ کوئی شخص کہے کہ میرا منشا تین ہی طلاق دینے کا تھا، میں ابھی اس عورت سے علیٰحدگی چاہتا ہوں تو کوئی معقول وجہ نہیں ہے کہ اسے ایک طلاق قرار دیا جائے۔

اسے ایک مثال سے سمجھا جا سکتا ہے۔ کسی شخص کو تین چیک دیے گئے اور کہا گیا کہ یہ چیک حسبِ ضرورت تین مختلف اوقات میں استعمال کرے، لیکن اس نے یہ چیک ایک ساتھ استعمال کر ڈالے تو وہ مزید کسی چیک کا قانوناً مطالبہ نہیں کر سکتا۔

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق دینا جب خلافِ سنت ہے اور اسے بدعت کہا گیا ہے تو اسے غیر مؤثر مانا جائے۔ اس کی تائید صحیح نہیں ہے۔

یہ کہنا درست نہیں ہے کہ کسی غلط عمل کا اثر نہیں ہوتا۔ کوئی شخص سامنے والے پر فائر کر دے تو وہ ہلاک ہو جائے گا، چاہے اس نے غلطی ہی سے فائر کیا ہو۔ دوسری بات یہ کہ کسی معتبر عالم یا فقیہ نے یہ نہیں کہا کہ یہ طلاق نافذ نہیں ہوگی۔ اختلاف ہے تو یہ کہ بیک وقت تین طلاق کو تین مانا جائے یا یہ ایک طلاق ہوگی۔ اصل مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے جب کہ مرد عورت سے فوراً علیٰحدگی چاہے۔ بعض اوقات خود عورت بھی غلط کار شوہر سے جلد نجات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ تین طلاق کو غنیمت سمجھے گی۔ اس سے یہ کہنا کہ طلاق ہوئی ہی نہیں، یا ایک ہی ہوئی ہے، تکلیف دہ ہوگا۔ وہ سمجھے گی کہ ایک حاصل شدہ موقع مجھ سے سلب کیا جا رہا ہے۔

طلاق کی وجہ بتانا ضروری نہیں

بعض اوقات کہا جاتا ہے کہ آدمی طلاق دے تو اس کی وجہ بیان کرے، حالاں کہ یہ عورت اور مرد دونوں کے لیے سخت نقصان دہ ہے۔ اگر آدمی عورت کی کمزوریاں بیان کرے

یا اس پر الزامات لگائے یا عورت مرد کی خامیاں بیان کرنے لگے تو یہ دونوں کی رسوائی کا باعث ہوگا۔ اس وجہ سے شریعت نے طلاق کے لیے اس طرح کی پابندی نہیں لگائی ہے۔

احکام شریعت سے واقفیت ضروری ہے

دوستو اور ساتھیو! ہم نے یہ سوچ رکھا ہے کہ شریعت کے احکام سے واقفیت ضروری نہیں ہے۔ اگر کبھی واسطہ پڑے گا تو علماء کرام سے دریافت کرلیں گے۔ یہ سوچ نقصان دہ ہے، کیوں کہ شریعت کا علم نہ ہونے کی وجہ سے ہم کبھی کبھی ایسا اقدام کر بیٹھتے ہیں جو اپنے گھر، اولاد اور خود اپنی ذات کے لیے سخت نقصان کا باعث ہوتا ہے۔ ہمارے گھر اور معاشرے کا ایسا ماحول ہونا چاہیے کہ کوئی شخص غلط قدم اٹھائے تو لوگ افسوس کا اظہار کریں کہ تم نے یہ غلط حرکت کیوں کی! تمہیں یہ اقدام نہیں کرنا چاہیے تھا، یا یہ کہ جو قدم تم اٹھا رہے ہو، وہ شرعی نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہے، تمہیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔

مطلقہ کا نان ونفقہ

ایک مسئلہ عدت کے زمانہ میں عورت کے نان ونفقہ اور گھر میں ساتھ رہنے کا ہے، یہ عدت کے زمانے تک ہے۔ ظاہر ہے کہ اس کے بعد عورت آزاد ہے۔ آزاد اس معنی میں کہ وہ شوہر کے کسی حکم کی پابند نہیں ہے، طلاق کے ذریعہ دونوں الگ ہو چکے ہیں۔ عورت دوسری جگہ شادی کرنا چاہے تو اسے شوہر کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کے وارث بھی نہیں ہوں گے۔

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ طلاق کے بعد عورت کہاں جائے گی۔ اس قانون پر پابندی لگنی چاہیے۔ طلاق دی ہے تو زندگی بھر اس کا خرچ برداشت کرے۔ یہ اور اس طرح کے دوسرے سوال ایسے ہیں جن میں جذباتیت تو ہے، معقولیت نہیں ہے۔ ایک مرد جب کسی عورت سے نکاح کرتا ہے تو عورت اس کی اطاعت کی اور بیوی کی حیثیت سے اپنی ذمہ داریاں ادا کرنے کا اقرار کرتی ہے۔ شوہر اس کے عوض میں اس کے تمام اخراجات

برداشت کرتا ہے۔ طلاق کے بعد جب دونوں ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہوگئے تو یہ معاہدہ بھی خود بخود ختم ہوگیا۔

طلاق کے بعد عورت کے نان ونفقہ کے مسئلہ پر اس طرح بھی غور کیا جاسکتا ہے کہ میاں بیوی میں کوئی نزاع نہیں ہے۔ دونوں خوش گوار زندگی گزار رہے ہیں کہ اچانک شوہر کا انتقال ہوگیا تو وہ کہاں جائے گی؟ اگر اس کا کوئی ذریعہ آمدنی نہیں ہے تو اس کا معاشی مسئلہ کیسے حل ہوگا؟ یہ صورت عورت کے ساتھ زندگی کے کسی بھی مرحلہ میں پیش آسکتی ہے۔ اس کا حل اسلام کے نزدیک یہ ہے کہ اس کے قریبی رشتہ دار اس کا معاشی بوجھ برداشت کریں گے۔ یہی معاملہ مطلقہ کا ہے۔ طلاق کے بعد وہ خود سے اپنے اخراجات برداشت نہیں کر پارہی ہے تو اس کی معاشی ذمہ داری اس کے والدین، اس کی اولاد اور ان لوگوں پر ترتیب سے عائد ہوگی جو از روئے شرع اس کے وارث ہوں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ اس طرح کے سوالات چھیڑ کر مرد پر عورت کی معاشی ضروریات کا بار ڈالنا چاہتے ہیں، وہ اسلام کے پورے قانون کو نہیں سمجھ رہے ہیں۔ ان سب چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں ایک ایسا ماحول بنانے کی ضرورت ہے کہ اگر طلاق واقع ہوجائے تو دونوں طرف کے ذمہ دار حضرات بیٹھ کر اس کا حل تلاش کریں اور زیادتی کسی جانب سے بھی نہ ہونے پائے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ نکاح وطلاق اور دین کے دوسرے معاملات میں جو ہدایات اس نے عطا فرمائی ہیں، ہم ان کی روشنی میں اپنی زندگی گزارنے کی کوشش کریں۔ ساتھ ہی دین کی معلومات کو عام کرنے کی بھی بھرپور سعی و جہد کریں۔

خلع کے احکام

بعض لوگ کہتے ہیں کہ مرد کو حقِ طلاق حاصل ہے تو عورت کو بھی یہ حق ملنا چاہیے کہ وہ شوہر کو طلاق دے سکے۔ یہ عورت اور مرد کے درمیان مساوات کا جدید تصور ہے، لیکن اس کی کوئی مضبوط بنیاد نہیں ہے۔ مرد نکاح کے ذریعہ عورت کے مالی اخراجات (نان ونفقہ، رہائش وغیرہ) کی تکمیل کی ذمہ داری لیتا ہے اور طلاق کے بعد اس سے سبک دوش ہوتا ہے۔ عورت اس طرح کی ذمہ داری نہیں قبول کرتی اس لیے اسے طلاق کا حق نہیں ہے، البتہ اسے خلع کا حق ہے۔

طلاق کے احکام کے ذیل میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ ۗ	اگر تمہیں اندیشہ ہو کہ میاں بیوی اللہ کے حدود کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو ان پر اس میں کوئی گناہ نہیں ہے کہ عورت مال دے کر اس سے چھوٹ جائے۔ (البقرة:۲۲۹)

اس میں خطاب ان لوگوں سے ہے جو سماج میں ذمہ دارانہ حیثیت کے حامل ہیں یا جو خاوند اور بیوی کے درمیان اصلاح کی کوشش کر رہے ہیں کہ اگر وہ دیکھیں کہ ان میں نباہ مشکل ہے اور وہ اسلامی حدود و آداب کی پابندی نہیں کر سکتے تو اس سے بچنے کے لیے عورت فدیہ دے کر شوہر سے علیحدگی چاہتی ہے تو اس کی اسے اجازت ہے۔ اس میں اس کی مدد ہونی چاہیے۔

خلع میں عورت شوہر سے علیحدگی کے لیے مال کی پیش کش کرتی ہے اور مرد اسے

قبول کرتا ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ خلع کے لیے مرد کی طرف سے مال کا مطالبہ ہو۔ عورت اسے منظور کر لے تو خلع ہو جائے گا اور رد کر دے تو خلع نہیں ہوگا۔

۱۔ طلاق کی طرح خلع بھی شریعت میں کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے۔ آیت سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ عورت کو اسی صورت میں اس کا مطالبہ کرنا چاہیے جب کہ احکامِ شریعت کی پابندی اس کے لیے دشوار ہو رہی ہو۔ اسے عیاشی اور جنسی لطف اندوزی کا ذریعہ نہیں ہونا چاہیے۔ رسول اکرم ﷺ کا ارشاد ہے کہ ''جو عورت بغیر کسی وجہ کے شوہر سے طلاق کا مطالبہ کرے تو اس پر جنت کی خوش بو حرام ہے۔'' (احمد، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی) ایک روایت میں ہے کہ جنت کی خوش بو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہوگی۔

۲۔ خلع میں عورت کی درخواست پر مرد اس سے علیٰحدگی اختیار کرتا ہے۔ اس لیے اس سے یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ مہر معاف کر دے یا اس کا کوئی مالی بوجھ برداشت کرے۔

۳۔ قرآن نے واضح کیا ہے کہ عورت مال کے عوض خلع کی درخواست کر سکتی ہے۔ مرد کے لیے اسے قبول کرنا جائز ہے۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔

۴۔ خلع کے لیے عورت اپنی حیثیت کے مطابق کم یا زیادہ مال کی پیش کش کر سکتی ہے۔ آیت نے اس کی حد بندی نہیں کی ہے۔ لیکن حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں ایک مسلمان مرد کو فراخ دل ہونا چاہیے اور مہر سے زیادہ کا مطالبہ نہیں کرنا چاہیے۔ حضرت ثابت بن قیسؓ کی بیوی نے خلع چاہا تو آپ نے ان سے کہا کہ مہر میں تمہارے شوہر نے جو باغ دیا ہے وہ واپس کر دوگی؟ انہوں نے کہا کہ میں اس سے زیادہ بھی دے سکتی ہوں۔ آپؐ نے فرمایا: اس کی ضرورت نہیں اور حضرت ثابت بن قیسؓ کو حکم دیا کہ وہ باغ لے کر طلاق دے دیں۔

ایک بات یہ کہی جا سکتی ہے کہ اس میں اس کا امکان ہے کہ آدمی طلاق نہ دے اور عورت کو دق کرتا رہے، تاکہ وہ خلع کی درخواست کرے۔ اس میں اسے مہر نہیں دینا پڑے گا، دیا ہے تو واپس مل جائے گا۔ اس سے زیادہ کا بھی وہ مطالبہ کر سکتا ہے۔ لیکن از روئے شرع اس کی اجازت نہیں ہے۔ ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ عورت کو خلع کے لیے مجبور کر کے آدمی کا ایک حبہ یا یوں کہیے کہ رتی بھر چاندی بھی حاصل کرنا حرام ہے۔ اگر عورت دعویٰ کرے کہ

خلع کے لیے اسے مجبور کیا گیا تھا اور اس کا ثبوت فراہم کر دے تو اپنا مال واپس لے سکتی ہے

اس سے آگے کی بات یہ ہے کہ خلع کی درخواست پر آدمی طلاق دے، اس کے بعد عورت دعویٰ کرے کہ مال کے لیے اسے مجبور کیا گیا تھا تو طلاق تو واقع ہو جائے گی، لیکن آدمی کو مال لوٹانا پڑے گا۔ اس لیے کہ مالی لین دین کے لیے باہمی رضامندی ضروری ہے، جبر کے ذریعہ کسی سے مال نہیں لیا جا سکتا۔

خلع کے اسباب

عورت مختلف وجوہ سے خلع کی درخواست کر سکتی ہے۔ اس میں مزاج کا فرق، معیارِ زندگی، مرد کا سلوک، دونوں کے حالات کا فرق وغیرہ شامل ہیں۔

رسول اللہ ﷺ سے حبیبہ بنت سہلؓ نے کہا کہ میں اپنے شوہر ثابت بن قیسؓ کے ساتھ نہیں رہ سکتی، مجھے ان کے دین و اخلاق پر کوئی اعتراض نہیں ہے، لیکن وہ بہت ہی بدشکل ہیں، اس لیے میں انہیں ناپسند کرتی ہوں۔ روایات میں آتا ہے کہ وہ بہت خوب صورت تھیں۔ آپؐ نے ان سے کہا کہ ثابت نے مہر میں جو باغ دیا ہے اسے واپس کر دو گی؟ انہوں نے کہا کہ ہاں میں اس کے لیے تیار ہوں۔ آپؐ نے ثابت سے کہا کہ باغ لے لو اور اسے طلاق دے دو۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے مرد سے عورت کی عدم مناسبت کو اہمیت دی۔ اس کے لیے ضروری نہیں کہ مرد بھی عورت کو ناپسند کرے۔

اسی طرح اور بھی اسباب ہو سکتے ہیں۔ جسمانی نقص یا معذوری، شوہر کا دینی لحاظ سے کم زور ہونا، یا اس کا ضعیف اور عمر رسیدہ ہونا وغیرہ۔

خلع کے ذریعہ علیٰحدگی

خلع کا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورت مہر واپس کر کے یا مال دے کر شوہر سے خود بخود الگ ہو جاتی ہے۔ نکاح کے ذریعہ مرد کا عورت سے جو رشتہ قائم ہوتا ہے اسے مرد ہی ختم کر سکتا ہے۔ اسی کو فقہا نے اس طرح تعبیر کیا ہے کہ مرد کو جو ملکِ نکاح حاصل ہے، خلع میں

اس سے وہ دست بردار ہوتا ہے۔اسی کوطلاق بالعوض بھی کہا گیا ہے۔

خلع طلاق بائن ہے

اگرعورت شوہر سے خلع کرلےتو وہ اس سے جدا ہو جائے گی۔ یہ طلاق بائن ہے۔ اس میں شوہر کو رجوع کا حق نہ ہوگا۔وہ اس سے دوبارہ ازدواجی رشتہ قائم کرنا چاہے اور عورت بھی اس کے لیے آمادہ ہوتو از سرنو نکاح کرنا ہوگا۔خلع لینے والی عورت کی عدت تین حیض ہے۔